کتھے مہر علی، کتھے تیری ثنا ﷺ

حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی ؒ کی معروف نعت کا

تاثراتی جائزہ

پروفیسر

محمد اقبال جاوید

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں:

نام کتاب ...... کتھے مہر علی، کتھے تیری ﷺ ثنا
حضرت سیّد مہر علی شاہ گولڑویؒ کی معروف نعت کا تاثراتی جائزہ
مرتب ...... پروفیسر محمد اقبال جاوید
کمپوزنگ ...... سجاد انوویشنز، فرسٹ فلور دین پلازہ گوجرانوالا فون: ۰۵۵۔۳۸۵۹۶۹۰
اشاعت ...... اکتوبر ۲۰۱۴ء
تعداد ...... پانچ سو

التماسِ دُعا

- ہائی کلاس بیکرز، جی ٹی روڈ وزیر آباد فون: ۰۵۵۔۶۶۰۶۵۴۰
- بابِ حرم حج/عمرہ سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۴۶۔سی، جناح سٹیڈیم کچہری روڈ گوجرانوالا فون: ۰۵۵۔۳۸۴۰۰۰۵، ۳۸۴۰۰۰۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

O

دلِ پژمردہ اک بے نام خوشبو سے مہک اُٹھا
سجایا میں نے لرزیدہ لبوں پر نام جب تیرا

O

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم

صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

اللهم

بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

كتبه الفقير نفيس الحسيني الأزهري غفر الله له ولوالديه وعفا عنه في رمضان المبارك سنة ١٤١٣هـ

O

آنکھوں میں نور، دل میں بصیرت ہے آپ ﷺ سے
میں خود تو کچھ نہیں، مری قیمت ہے آپ ﷺ سے

O

بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہٖ

کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ

صلوا علیہ وآلہٖ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہٗ گوہر قلم

مشمولات

☆ حضرت سیّد مہر علی شاہ گولڑویؒ......سوانحی خاکہ 9

☆ معروف نعت 11

☆ پس منظر 13

☆ تاثراتی جائزہ 22

(اُردو ترجمہ، شعری ترجمانی، نثری تاثر)

☆ تحسینِ حُسن......اہل قلم کی آراء 46

☆ کتھّے مہر علی کتھّے تیری ﷺ ثنا —— دورِ حاضر کے نعت گو شعراء کے لیے لمحۂ فکریہ 50

☆ نعتیہ تضمین......آغا شورش کاشمیریؒ 58

☆ ہدیۂ نیاز —— حضرت گولڑویؒ کے حضور میں 60

سوانحی خاکہ

’’حضرت سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد، جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے، بغداد سے بہ غرض تبلیغ ہندوستان آئے اور پہلے ساڈھورہ (ضلع انبالہ) میں اور بعدازاں گولڑہ نزد راولپنڈی، میں سکونت پذیر ہوئے، سیّد مہر علی شاہ یہیں یکم رمضان ۱۲۷۵ھ / ۴۔اپریل ۱۸۵۹ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سیّد نذر الدین اور ماموں سید فضل الدین کے زیرِ سایہ مختلف اساتذہ سے پائی پھر دو سال سے زیادہ مدت تک انگہ ضلع سرگودھا میں مولانا سلطان محمودؒ کے درس میں شریک ہو کر علوم متداولہ پر عبور حاصل کیا۔ مولانا سلطان محمودؒ کو سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ خواجہ شمس الدین سیالویؒ (م۔۱۸۸۳ء) سے عقیدت تھی، پیر مہر علی شاہ بھی ایک باران کے ہمراہ سیال شریف گئے اور خواجہ صاحب کے جذب و عشق سے متاثر ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بعدازاں انھوں نے چکوال ضلع جہلم میں مولانا برہان الدینؒ سے کچھ درس لیے، پھر ہندوستان چلے گئے۔ دو سال تک علی گڑھ میں مولانا لطف اللہ سے اکتسابِ علم کیا، اس کے بعد سند فراغت حاصل کی اور وطن واپس آ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں مجاہدات و ریاضات میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے بہت جلد ایقان و عرفان کے مدراج طے کر لیے اور خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے

خرقۂ خلافت عطا کر کے ارشاد و ہدایت کی خدمت ان کے سپرد کر دی۔ اسی زمانے میں ان کے ماموں سید فضل الدین شاہؒ نے خلافت قادریہ کا خرقہ بھی عطا کیا۔

پیر مہر علی شاہؒ کا شمار اکابر صوفیہ میں کیا جاتا ہے۔ ان کا مشرب افراط و تفریط سے پاک تھا اور ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ملتِ اسلامیہ اپنے فروعی اختلافات کو چھوڑ کر متفق و متحد ہو جائے، ۱۹۳۱ء میں ان پر محویت اور استغراق کا غلبہ ہو گیا تھا۔ ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ/ ۱۱۔ مئی ۱۹۳۷ء کو انھوں نے انتقال فرمایا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ دانش گاہِ پنجاب، لاہور)

O

حضرتؒ کی مشہور نعت

اَج سِک متراں دی ودھیری اے — کیوں دِلڑی اُداس گھنیری اے
لُوں لُوں وِچ شوق چنگیری اے — اَج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
اَلطَّیْفُ سَریٰ مِنْ طَلْعَتِہٖ — وَالشَّذْوُ بَدیٰ مِنْ وَّفْرَتِہٖ
فَسَکَرْتُ ھُنَا مِنْ نَظْرَتِہٖ — نیناں دیاں فوجاں سر چڑھیاں
مُکھ چند بدر شعشانی اے — متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اکھ مستانی اے — مخمور اکھّیں ہن مدھ بھریاں
دو ابرو قوس مثال دِسَن — جیں توں نوکِ مژہ دے تیر چُھٹن
لباں سُرخ آکھاں کہ لعلِ یمن — چِٹے دند موتی دیاں ہن لڑیاں
اِس صورت نُوں میں جان آکھاں — جانان کہ جانِ جہان آکھاں
سچ آکھاں تے ربّ دی شان آکھاں — جس شان توں شاناں سب بنیاں
ایہہ صورت ہے بے صورت تھیں — بے صورت ظاہر صورت تھیں
بے رنگ دِسے اِس مورت تھیں — وِچ وحدت پھٹیاں جد گھڑیاں

دَسےّ صورت راہ بے صورت دا ۔۔۔ توبہ راہ کی عین حقیقت دا[1]

پر کم نہیں بے سُوجھت دا ۔۔۔ کوئی وِرلیاں موتی لے تریاں

ایہا صورت شالا پیش نظر ۔۔۔ رہے وقتِ نزع تے روزِ حشر

وچ قبر تے پُل تھیں جد ہوسی گزر ۔۔۔ سب کھوٹیاں تھیسن تد کھریاں

يُعْطِيْكَ رَبُّكَ داس تُساں ۔۔۔ فَتَرْضٰى تھیں پُوری آس اساں

لج پال کریسی پاس اساں ۔۔۔ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ صحیح پڑھیاں

لاہو مکھ توں مخطّط بُردِ یمن ۔۔۔ من بھانوری[2] جھلک دِکھاوٗ سجن

اوہا مٹھیاں گالیں الاوٗ مِٹھن ۔۔۔ جو حمرا وادی سن کریاں

حُجرے توں مسجد آوٗ ڈھولن ۔۔۔ نُوری جھات دے کارن سارے سکن

دو جگ اکھیاں راہ دا فرش کرن ۔۔۔ سب انس و ملک حوراں پریاں

اِنہاں سِکدیاں تے کُرلاندیاں تے ۔۔۔ لکھ واری صدقے جاندیاں تے

انہاں بردیاں مفت وکاندیاں تے ۔۔۔ شالا[3] آون وت بھی اوہ گھڑیاں

سُبْحَانَ اللّٰه مَا اَجْمَلَكَ ۔۔۔ مَا اَحْسَنَكَ مَا اَكْمَلَكَ

کتھے مہر علی ، کتھے تیری ﷺ ثنا
گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

O

(۱) محمد عبدالمجید صدیقی کی تالیف "زیارت نبی ﷺ بہ حالتِ بیداری" میں مصرع یوں ہے: "تو یہ راہ کہ عین حقیقت دا" آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اللہ تعالیٰ کی ذاتِ وحدت کا راستہ دکھاتی ہے اور یہی عین حقیقت کا راستہ ہے۔

(۲) اسی کتاب میں "من بھانوندی" (من بھاونی) ہے۔ (۳) یہ مصرع یوں ہے "شالا وت پیاں آون اِبھ گھڑیاں"۔

پس منظر

حضرت سید پیر مہر علی شاہؒ ۱۳۰۷ھ (بہ مطابق ۱۸۹۰ء) میں حج کے لیے تشریف لے گئے، مکہ معظّمہ میں آپ نے مدرسہ صولتیہ میں قیام فرمایا، وہیں مولانا رحمت اللہؒ (م۔۱۳۰۹ھ) مہتمم مدرسہ صولتیہ سے ملاقات ہوئی، وہ آپ سے بہت متاثر ہوئے اور آپ سے بیعت ہونے کی آرزو کی، مگر آپ نے اُن کے علم و فضل کی قدر کرتے ہوئے معذرت کی، البتہ کچھ وظائف تلقین فرما دیئے۔ اِسی مدرسے کے استاذ العلماء مولانا محمد غازیؒ کو آپ کی علمی فضیلت اور روحانی عظمت نے اس قدر متاثر کیا کہ وہ مدرسہ سے مستعفی ہو کر آپ کے ساتھ ہی گولڑہ آ گئے اور باقی عمر یہیں گزار دی۔ مدینہ منورہ کے سفر میں بھی وہ خدمت گزاری کے لیے حضرت کے ہم راہ رہے، مکہ معظّمہ ہی میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م۔۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء) آپ کی علمی گہرائیوں اور فکری رفعتوں سے متاثر ہوئے اور آپ کو سلسلۂ صابریہ عطا فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ”آپ کو اس کی حاجت نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے شمالی ہند میں بھی میرے سلسلے کی ترویج ہو“، آپ نے مکہ میں رہائش اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ارشاد فرمایا کہ ”پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا جس کا سد باب آپ ہی کی ذات سے متعلق ہے، اُس وقت آپ محض اپنے گھر میں

خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی علمائے عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے اور وہ فتنہ زور نہ پکڑ سکے گا‘‘۔ اِس فتنہ سے مراد فتنۂ قادیانیت ہے ـــــ مرزا غلام احمد نے حضرت گولڑویؒ کو لاہور میں مناظرہ و مباحثہ کی دعوت دی ـــــ حسبِ پروگرام حضرت گولڑویؒ ۲۵۔ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور پہنچ گئے مگر مرزا قادیانی وعدے کے باوجود نہ آیا۔

۲۷۔ اگست کو شاہی مسجد میں ایک جلسۂ عام ہوا جس میں جیّد علماء نے خطاب فرمایا اور حضرتؒ نے آخر میں دعا فرمائی۔

مکہ معظّمہ سے (۱۸۹۰ء) آپ مدینہ کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں ’’وادیٔ حمرا‘‘ کے مقام پر آپ زیارتِ رسول پاک ﷺ سے مشرّف ہوئے۔

حیات النبی ﷺ ایک حقیقت ہے اور زیارتِ نبیٔ پاک ﷺ، بہ حالتِ خواب و بہ صورتِ بیداری، بھی ایک صداقت، میری علمی لاعلمی اور فکری بے بضاعتی نہ اِن صداقتوں کی وضاحت پر قادر ہے اور نہ وجودِ حسّی اور وجودِ مثالی کو سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت رکھتی ہے، میں تو اتنا جانتا ہوں کہ نصِ قرآنی کی رُو سے شہید زندہ ہے اور شہید وہ ہے جو نبیٔ کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی آن کے تحفظ کے لیے اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کرتا ہے۔ گویا آپ ﷺ کے فیض نے موت کو مسیحا بنادیا کہ آپ ﷺ کی آن پر جان دینے والے تب و تابِ جاودانہ کے مستحق ٹھہرے۔ جب کہ نبیٔ پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس تو شہدائے عالم سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے اور یہ بھی حق ہے کہ آپ ﷺ کا وصال بھی اُس زہر کی وجہ سے ہوا جو آپ ﷺ کو خیبر میں یہود نے دیا تھا۔ رہ گیا یہ اشتباہ کہ شہید کی حیات، روحانی ہے یا جسمانی، روح تو بہ ہر نوع پائندہ ہے، اہلِ نظر نے یہ عقدہ یوں سلجھانے کی سعی کی ہے کہ آیت میں ’’**من یقتل**‘‘۔ بدن ہے نہ کہ روح، اس لیے ’’**من یقتل**‘‘ پر احیاء کا اطلاق اِسی معنی میں ہوگا اور سمجھانے والوں نے یوں بھی سمجھایا کہ ’’مقتول فی سبیل اللہ کو مردہ مت کہو بلکہ

وہ زندہ ہے لیکن تمھیں پتا نہیں'' یہ نصِ قرآنی ہے۔ یہاں مقتول فی سبیل اللہ کو حیّ اور زندہ کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ محض مقتول حیّ نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ حکم حیات اس مقتول پر ہے جو مقیّد ہے سبیل اللہ کے ساتھ، یعنی یہاں حیّ کی علت فی سبیل اللہ ہوگی اور فرمایا'' کہہ دے کہ میری نماز اور قربانی اور میری حیات اور موت سب اللہ کے لیے ہے'' شہید کی تو صرف موت ہی سبیل اللہ ہے، جب کہ نبی ﷺ کی تو ہر چیز فی سبیل اللہ ہے، معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی لِلّٰہیت شہید کی لِلّٰہیت سے لامتناہی، افضل وارفع ہے، اسی طرح نبی ﷺ کی حیات، شہید کی حیات سے لامتناہی افضل وارفع ہے۔ جب کہ ہم کو حیاتِ شہید کا شعور نہیں تو اعلیٰ وارفع حیات کا شعور کیسے ہوسکتا ہے۔''

مولانا محمد سرفراز خاں صفدرؒ کے الفاظ میں: (ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن ۱۷/۲۵۴)

''آپ ﷺ کی وفات تو قطعی ہے اس کا انکار نہیں ہے۔ لیکن وفات کے بعد احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور اس پر اجماعِ امت ہے کہ ''مرنے والے کی روح لوٹائی جاتی ہے جسم میں'' قبر میں جس وقت دفن کرتے ہیں، روح کا تعلق بدن کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ گو نیک لوگوں کی ارواح کا مستقر اور ٹھکانا علیّین ہے اور بد لوگوں کا سجّین۔ لیکن اس کے باوجود اس کا بدن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے جسم میں حیات ہوتی ہے۔ پھر ہر ایک کی حیات اس کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے۔ قبروں میں سب سے اعلیٰ حیات انبیائے کرامؑ کی ہے پھر صدیقین، پھر شہدا اور پھر عامۃ المسلمین کی ہے۔ بعض لوگ اس کی غلط تاویل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اس سے روح کی حیات مراد ہے، یعنی روح زندہ ہے یا اس سے مراد جسم مثالی ہے یعنی ہمارے جسم کی فوٹوسٹیٹ۔ جسم مثالی کو یوں سمجھو جیسے ہم خواب میں ایک دوسرے کو ملتے ہیں۔ اس میں اصل کو علم ہی نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن ان کی تاویل کو رد کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے ''ان کو مردہ نہ کہو جو فی سبیل اللہ قتل کیے گئے ہیں'' تو قتل نہ روح کو کیا جاتا ہے نہ جسدِ

مثالی کو، قتل تو جسدِ عنصری ہوتا ہے اور جو فی سبیل اللہ قتل ہوتا ہے اس کو مردہ نہیں کہنا وہ زندہ ہے۔ مگر وہ زندگی ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔"

○ حافظ ابن قیمؒ کے خیال میں روضۂ اطہر، افضل ہے، کعبے سے، عرش اور حاملینِ عرش سے، جنتِ عدن سے، آسمانوں سے، کیوں کہ روضۂ مبارک میں ایک ایسا جسدِ اطہر ہے کہ اگر دونوں جہانوں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور اُس جسدِ اطہر کو دوسرے پلڑے میں، تو وہ جسم مبارک دونوں جہانوں سے وزنی اور قیمتی ہوگا۔

(سید ابوبکر غزنویؒ، قربت کی راہیں، ص ۴۵)

نیک ارواح کو اعلیٰ علیین میں رکھا جاتا ہے مگر یہ مقام رفیع و عظیم بھی حضور ﷺ کے جسدِ اطہر کے مقابلے میں فروتر ہے۔ اِسی لیے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بجا فرمایا کہ "حضور ﷺ کی روح کو جب قبض کیا گیا تو رب نے پوری کائنات میں دیکھا کہ اس روحِ مبارک کو کہاں رکھا جائے، جب کوئی مناسب جگہ نہ ملی تو اُس روح کو دوبارہ نبیٔ پاک ﷺ ہی کے جسم میں رکھ دیا گیا" (خطباتِ منبر و محراب (I) علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی، ص ۲۷۴)

○ جناب پروفیسر محمد حسین آسیؒ نقشبندی علی پوری (۱۹۳۹ء۔۲۰۰۶ء) کے چند اشعار جو مواجہہ شریف میں حاضری کے فوراً بعد (۱۹۷۶ء) موزوں ہوئے ؎

یہ ہے مزار اُس شہِ عالی وقار کا ہر ذرّہ جانِ عرش ہے جس کے مزار کا
دن رات، آرہے ہیں یہاں، بن کے مجرئی کیا کام ورنہ گردشِ لیل و نہار کا
اب ہم ہیں اور صبحِ مدینہ کی تابشیں
یہ حُسنِ اختتام ہے، اک انتظار کا

○

الغرض مقامِ رسالت ﷺ کی رفعت و وسعت ایک انتہائی بڑے دائرے کی طرح ہے اور فہمِ انسانی ایک چھوٹے دائرے کے مانند ——— اور بڑا دائرہ، چھوٹے

دائرے میں آ ہی نہیں سکتا۔ یہ بھی نصِ قرآنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیؐ پاک ﷺ کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور یہ رحمت زمان ومکان کی پابند نہیں ہے ؎

تجلّیوں سے تری مستنیر و تابندہ
زمانِ ماضی و عصرِ روان و آئندہ

حضرت سید پیر مہر علی شاہؒ اور نبیؐ پاک ﷺ کی زیارت، اسی رحمت کا خاصہ ہے جس سے متخصصین ہی نوازے جاتے ہیں اور حضرت سید پیر مہر علی شاہؒ کو یہ تخصّص نصیب ہوا۔ آپ کے قلمی تبرکات سے ایک فارسی تحریر بھی ملی ہے، جس میں آپ نے اس شرفِ زیارت کی تفصیل قلم بند کی ہے۔ جسے ''مہر منیر'' (مؤلف مولانا فیض احمد فیض، صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۳) سے نذر قارئین کر رہا ہوں۔

- وادیٔ حمرا کے واقعہ کے متعلق حضرت قبلۂ عالمؒ کی قلمی تحریر:

''چنانچہ در سفرِ مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام بمقام حمرا وادی یا فاطمہ وادی از یں کمینہ ترین اُمت مرحومہ، بباعثِ اضطراب از قطاع الطریق سنت عشاءٗ متروک گشت۔ مخلصی فی اللہ ومحبی للہ مکرمی جناب مولوی محمد غازی صاحب دریں سفر مبارک شغل تعلیم وتعلم کہ در مدرسہ مکرمی مولوی رحمت اللہ مرحوم ومغفور بمکہ معظّمہ زادہا اللہ تعظیماً مے فرمود، ترک فرمودہ محض برائے خدمت ایں بے ہیچ بنا بر حُسن ظن شرفِ رفاقت بخشیدند بمعیتِ رفقا بکرانہ قافلہ بخواب رفتم۔ چہ مے بینم کہ سرورِ عالم فداہ روحی ﷺ در جُبہّ عربی سیاہ فام از جمالِ باکمال جہاں آرا، حیاتِ دیگر بخشیدند۔ درحالتیکہ بمسجدے دوزانو مراقب نشستہ بُودم نزدیک تر بایں عاصی شدہ مے فرمایند کہ آلِ رسول ﷺ رانباید کہ ترکِ سنت کُند و ہر دو ساقِ مبارک را کہ لطیف تر از حریر بُودند بدو دست خود محکم گرفتہ گریاں ونالہ کناں مے گفتم الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ واز بے استقامتی ومدہوشی عرض نمودم کہ حضور کدام کس اند۔ در جواب ہماں جملہ مذکورہ

بالا (آلِ رسولؐ را نباید کہ ترکِ سنت کند) فرمودند ہمیں طور سہ بار تکرارِ سوال و جواب بوقوع آمد۔ نوبتِ سوم در قلبِ حزیں چنیں ریختند کہ از ندائے تو بلفظِ یا رسول اللہ ﷺ منع نمے فرمایند اگر کسے دیگر از اہل اللہ بودے بگفتے کہ مرا رسول اللہ ﷺ مگو۔ والحمدللہ علیٰ ذالک ــــ از خوبی و حسنِ آں جمالِ با کمال و از مستی و ذوق و تحیر فائضہ آں وقت مبارک لسانِ تقریر و تحریر گنگ است و لال۔ البتہ ابیاتِ ذیل جرعۂ ازاں بادہ بکام، و نفحۂ ازاں نافہ بمشامِ عشاقاں چکانیدن و دمیدن انسب مے نماید ؎

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام	عاشقِ شوریدہ ام یا عشق یا جانانہ ام
مبتلائے حیرتم جاں گوئمت یا جانِ جاں	اصطلاحِ شوق بسیار است و من دیوانہ ام
شوق موسیٰؑ در ظہور آورد نارِ طور را	در نہادِ شمع آتش مے زند پروانہ ام
باجمالِ ذاتیش حسنِ دگر درکار شد	چشمِ اُورا سرمہ ام یا زُلفِ اورا شانہ ام

غافل از خود ماند از صورت چو پُر شد آئینہ
تا تُرا بشناختم جاناں ز خود بیگانہ ام

ایضاً

نخستیں بادہ کاندر جام کردند	مزاجش عکس آں گلفام کردند
ہویدا شد در امکاں صورتِ حق	بآں صورت جہاں را رام کردند
ہمے بایست تفصیلے ازاں رُوئے	مکارم را بآں اتمام کردند
شرابِ وحدت از خمخانۂ غیب	مرا صبحِ ازل در کام کردند
چو غلطیدم ز مستی ہا بہر سُو	حریفاں مستی از من وام کردند
حقیقت راکہ مستور از نظر بُود	بما مشہودِ خاص و عام کردند
پس آنگہ موجِ دریا باز گردید	باتمامِ فنا اکرام کردند

امیں رمزے دقیقے باتو گوئم
بخود آغاز وہم انجام کردند

اللّٰھم صلّ وسلّم و بارك دائماً علی سیّدنا محمّدٍ وآلہٖ وصحبہٖ

سوارہ بگذشتی و ما ہنوز از شوق
نہادہ رُوئے بخاکِ سُمِ سمندِ توایم

O

﴿ ترجمہ ﴾

چنانچہ مدینہ عالیہ کے سفر میں بمقام وادِیٔ حمرا ڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً عشا کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی، مدرسہ صولتیہ میں شغلِ تعلیم و تدریس چھوڑ کر حسنِ ظن کی بنا پر بغرضِ خدمت اِس مقدس سفر میں میرے شریک ہوئے تھے۔ اِن رُفقاء کی معیت میں، میں قافلہ کے ایک طرف سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سرورِ عالم ﷺ سیاہ عربی جُبہ زیب تن فرمائے تشریف لا کر اپنے جمالِ باکمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں ایک مسجد میں بحالتِ مراقبہ دوزانو بیٹھا ہوں۔ آنحضور ﷺ نے قریب تشریف لا کر ارشاد فرمایا کہ آلِ رسول ﷺ کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اِس حالت میں آنجناب ﷺ کی ہر دو پنڈلیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ وفغاں کرتے ہوئے الصلوٰۃ والسّلام علیکَ یارسُول اللہ کہنا شروع کیا اور عالمِ مدہوشی میں روتے ہوئے عرض کی کہ حضور کون ہیں؟ جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آلِ رسول ﷺ کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ تین بار یہی سوال و جواب ہوتے رہے۔ تیسری بار میری دِل میں ڈالا گیا کہ جب آپ ندائے یارسول اللہ ﷺ سے منع نہیں فرمارہے تو ظاہر ہے کہ خود آنخضرت ﷺ ہیں۔ اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس

کلمہ سے منع فرماتے۔ اِس حُسن و جمالِ باکمال کے متعلق کیا کہوں اُس ذوق ومستی و فیضانِ کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر لنگ۔ البتہ بادہ خوارانِ عشق ومحبت کے حلق میں اِن ابیات سے ایک جُرعہ اور اُس نافۂ مُشک سے ایک نفحہ ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے''۔ (درج بالا دو خوب صورت نعتیہ غزلیں)

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی یہ تحریر اور ابیات اُس وقت کی سعادت عظمیٰ کی کیفیات سے کسی قدر نقاب کُشائی کرتے ہیں اور واضح ہوتا ہے کہ آپ وصال کے مراتب عُلیا اور فنا و بقا کے مقاماتِ جلیلہ سے مشرف ہو چکے ہوئے تھے جو اہل اللہ کا انتہائے مقصود ہے۔ ان کیفیات کا انعکاس آپ کی اُس مشہور پنجابی نعت میں کسی حد تک پایا جاتا ہے جس کا ذکر اُوپر آ چکا ہے۔ اور جو آپ نے اُس موقع پر وادیٔ حمرا اور مدینہ منورہ کے درمیان موزوں فرمائی تھی۔ ان ہی کرامات وعنایات کے متعلق ذکر کرتے ہوئے آپ اپنی کتاب فتوحاتِ صمدیہ میں بضمن جواب سوالِ پنجم تحریر فرماتے ہیں۔ ''اِس گروہِ پاک میں سے اب بھی وہ لوگ ملتے ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ علیٰ حسب التفاوت مدینہ سے رُخصت ہوتے وقت یا کسی اور وقت میں اُن انعامات سے ممتاز و مشرف فرماتے ہیں کہ **لاعین رأت ولا اُذُنٌ سمعت**''۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہ کی طبیعت میں تواضع اور اخفائے راز کا غلبہ تھا۔ اس قسم کے واقعات کو شاذ و نادر ہی ظاہر فرماتے تھے اور وہ بھی کسی خاص مصلحت کے تحت۔ چُنانچہ اس واقعہ کا اِظہار بھی غالباً اپنے امثال اور تابعین کی تلقین کے لیے فرمایا ہے اور اِس لیے بھی کہ اِس میں اپنی ذاتِ والا صفات پر بھی حرف گیری کا ایک پہلو نکلتا تھا۔ ورنہ اُن اِنعاماتِ بے کراں کا جو اُس دربارِ گوہر بار سے مرحمت ہوئے یا اُن نوازشاتِ بے پایاں کا جو خانۂ خلاقِ جہاں میں ہوئیں ایک شمّہ تک بھی کہیں ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اور یہاں پر آپ ہی کا وہ قول پیشِ نظر آتا ہے ''میں فقیر اُسے کہتا ہوں جو

فقر کے سات دریا پی جائے اور ڈکار تک نہ لے۔"

متذکرہ بالا نعت شریف کی عالم گیر اثر انگیزی اب محتاج بیان نہیں رہی، پنجابی کلام سے لُطف اندوز ہونے والی ہزاروں محفلوں میں یہ ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اور لوگوں کی فرمائش کے پیش نظر بار بار ریڈیو پر بھی آتی رہتی ہے جب کبھی یہ نعت پڑھی جا رہی ہو تو شدتِ شوق و فراق سے ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے اور کیفیات کا نور و سرور سامعین کے قلوب میں موجزن ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جن دنوں علامہ اقبالؔ میکلوڈ روڈ پر رہتے تھے۔ شام کے دُھندلکوں میں کوئی شخص اِس نعت کا پہلا شعر ؎

اَج سِک متراں دی ودھیری اے کیوں دلڑی اُداس گھنیری اے
لُوں لُوں وچ شوق چنگیری اے، اَج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں

ترنم سے کہتا جا رہا تھا۔ علامہ نے اپنے ملازم کو دوڑا کر اُس گزرنے والے کو بلوا کر ساری نعت سُنی۔ جب مقطع ؎

سُبْحَانَ اللّٰہ مَا اَجْمَلَكَ مَا اَحْسَنَكَ مَا اَكْمَلَكَ
کِتھے مہر علی کِتھے تیری ثنا، گستاخ اکھیں کِتھے جا اڑیاں

میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کا نام سُنا تو کہا کہ اب معلوم ہوا کہ اِس کلام میں اتنا بے پناہ درد و اثر کیوں ہے۔"

حضرت سید پیر مہر علی شاہؒ کی یہ معروف پنجابی نعت، اردو ترجمے، شعری ترجمانی (جس کے لیے راقم الحروف برادرم محمد متین خالد، جناب عزیز ملک اور محترم منیر احمد کے لیے دعا گو ہے) اور نثری تاثر کے ساتھ درج ذیل ہے۔ ہر بند چار شعروں پر مشتمل ہے، جب کہ آخری شعر کو الگ رکھا ہے۔

O

﴿بند ۔ ا﴾

اِج سِک متراں دی ودھیری اے
کیوں دِلڑی اُداس گھنیری اے
لُوں لُوں وِچ شوق چنگیری اے
اَج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
اَلطَّیْفُ سَرٰی مِنْ طَلْعَتِہٖ
وَالشَّذْوُ بَدٰی مِنْ وَّفْرَتِہٖ
فَسَکَرْتُ ھُنَا مِنْ نَظْرَتِہٖ
نیناں دیاں فوجاں سر چڑھیاں

﴿اُردو ترجمہ﴾

آج محبوب کی یاد جوش میں ہے، دل انتہائی اداس ہے، جسم کے ہر رونگٹے میں شوق فراواں ہے اور نہ جانے آنکھیں کیوں برس رہی ہیں۔

خواب میں اُن (ﷺ)'' کا چہرۂ انور نظر آیا، زلفِ عنبر بار سے مشامِ جاں معطر ہو رہا، نگاہوں کا جادو سر چڑھ کر بول رہا اور بے خودی چھا رہی ہے۔

﴿شعری ترجمانی﴾

ہوائے شوقِ وصل یار بڑھتی ہی گئی آخر
چھلک اُٹھی رگ وپے میں شرابِ اشتیاق اپنی
مگر اے دل! فسردہ اور حزیں کیوں ہے؟
نظر آیا مجھے وہ حسنِ بے پایاں!

فضائے خواب پر چھائی رُخِ انور کی تابانی
ہوا میں مشک بُو مہکی معطر زلف سے جس کی
یہ منظر دیکھ کر تابِ جمالِ یار ﷺ تھی کس میں
اُسی دم کیف و مدہوشی کا عالم ہو گیا طاری
نظر محبوب کی، لشکر تھا گویا دلربائی کا
مجھے مسحور کر ڈالا

﴿نثری تاثر﴾

یاد، زندگی کی متاعِ عزیز ہے، یہ تنہائیوں کو بہلاتی بھی ہے اور تڑپاتی بھی، بارگاہِ ناز میں، گردشِ زمانہ رک سی جاتی ہے، آنکھیں جلوؤں سے سرشار اور دل حسن کی ضیا باریوں سے مستنیر رہتا ہے۔ جب کہ عالمِ فراق میں دل تڑپتا، آنکھوں میں چنار جلتے، اور مژگاں کی شاخوں پر آنسو سلگتے ہیں۔ الفاظ اس سوز و تپش کی ترجمانی نہیں کر سکتے ؎

سینے میں وہ کچھ اور ہے، لفظوں میں ہے کچھ اور
غم کے کئی انداز بیاں میں نہیں ملتے!

بیانِ درد کے لیے دل کو زبان دینا پڑتی ہے اور دل کی زبان آنسو ہیں کہ وہی دردِ دل کا بے ساختہ اظہار ہیں ؎

آنسو چھلک پڑے تو مری لاج رہ گئی
اظہارِ غم کا ورنہ سلیقہ نہ تھا مجھے

یاد کی یہی کیفیتیں ہیں جن سے حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا دل تڑپ رہا ہے اور آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برس رہی ہیں اور خواب میں نظر آنے والے حسنِ جہاں تاب کی ایک جھلک نے انھیں بے خود بنا رکھا ہے۔ اس بند میں نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور،

زلفِ عنبر بار اور دل آویز نگاہوں کا تذکرہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کی وساطت سے ہم تک پہنچنے والی معلومات کی روشنی میں آپ ﷺ کے رخ، زلف اور آنکھوں کی کیفیت یوں ہے۔

- چہرۂ مبارک سورج اور چاند کی طرح روشن اور گول تھا۔ (حضرت جابرؓ)
- چہرۂ تاباں دور سے دیکھیں تو وجیہہ، قریب سے دیکھیں تو جاذبِ نظر اور پُر جمال۔ (حضرت ام معبدؓ)
- زلفیں انتہائی سیاہ اور قدرے خم دار۔ (حضرت ابو ہریرہؓ)
- زلفوں میں کنگھی کرتے تو ہلکی لہریں بن جاتیں جیسا کہ ریت کے ٹیلے یا پانی کے تالاب میں ہوا چلنے سے ابھر آتی ہیں اور جب کچھ عرصہ کنگھی نہ کرتے تو بال آپس میں مل کر انگوٹھی کے حلقوں کی شکل اختیار کر لیتے۔ (حضرت عائشہؓ)
- آنکھیں سیاہ، کشادہ اور پلکیں طویل تھیں۔ (حضرت علیؓ)
- آنکھیں قدرتی طور پر سیاہ تھیں۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)

یہ اُن جلیل القدر اور خوش قسمت شخصیات کے بیانات ہیں جن کے لیے رسالت مآب ﷺ کی مجالس جنتِ نگاہ اور نشاطِ روح بنی رہیں اور حق یہ ہے کہ جنھوں نے اُنھیں خواب میں دیکھا حقیقتاً اُنھی کو دیکھا کہ اُنھی کی زبانِ صدق اظہار کا فرمانِ اقدس ہے کہ "**من رانی فقد رای الحق**" اور یہ خواب بڑے نصیب کی بات ہیں اور خوش نصیب ہیں وہ، جو نوازے جاتے ہیں اور پھر وہ یادِ محبوب میں عمر بھر تڑپتے رہتے ہیں ؎

پھر یوں ہوا کہ نیند نہ آئی تمام عمر
دیکھا تھا ایک خواب کبھی جاگتے ہوئے

اور ہر دل والا اِس آرزو میں تڑپتا ہے کہ ؎

آنکھوں کو اپنی چومتا رکھ رکھ کے آئینہ
ہوتی اگر نصیب زیارت حضور کی (ﷺ)

﴿بند ۔ ۲﴾

مکھ چند بدر شعشانی اے
متھے چمکے لاٹ نُورانی اے
کالی زُلف تے اکھ مستانی اے
مخمور اکھیں ہن مدھ بھریاں
دو ابُرو قوس مثال دِسن
جیں توں نوکِ مژہ دے تیر چھٹن
لباں سُرخ آکھاں کہ لعلِ یمن
چِٹے دند موتی دیا ہن لڑیاں

﴿اُردو ترجمہ﴾

بدرِ کامل کی طباشیری شعاعیں رُخِ انور کے سامنے شرمسار، جبینِ اقدس، انوار اُلوہی سے تابندہ، گیسوؤں کی سیاہی رخشندہ اور آنکھیں مئے توحید سے مخمور۔

دونوں ابرو، کمان کے مانند، تیرِ مژگاں، دل میں ترازو، لبوں کی سرخی کے مقابل لعلِ یمن بے حقیقت اور دانتوں کے سفیدی کے سامنے موتیوں کی مالا محجوب و شرمسار۔

﴿شعری ترجمانی﴾

وہ دیکھا چودھویں کے جگمگاتے چاند سا مکھڑا
سعادت کی جبیں پر تھی فروزاں جوتِ ربّانی
محمد ﷺ کی حسیں آنکھیں، محمد ﷺ کے سیاہ گیسو
مثالِ قوس، ابرو اور مژہ تھے تیر برساتے ہوئے ہر سُو

لبانِ سرخ تھے لعل یمن گویا
مجلّٰی دانت مروارید کی لڑیاں

﴿نثری تاثر﴾

اِس بند میں حضرت سید مہر علی شاہؒ نے نبی کریم ﷺ کے رُخِ پر انوار کی ایک جھلک دکھانے کی سعی کی ہے، حافظ مظہر الدینؒ کہتے ہیں ؎

جو حُسن میرے پیشِ نظر ہے اگر اُسے
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

تشبیہ و استعارہ شاعری کا حسن ہیں، اس حسن سے، نکھار کا وقار، اعتبار بن کر دل میں اترتا ہے۔ ان کا پہلا کام معنیٰ آفرینی ہے، دوسرا کام حسن آفرینی ہے اور تیسرا کام اختصار اور بلاغت پیدا کرنا ہے، گویا یہ تصویرِ نظم کے وہ بوقلموں الوان ہیں جن کی آمیزش کے بغیر تصویر اکثر بے رنگ رہ جاتی ہے۔ تشبیہ میں مشبہ کو مشبہ بہ کے مانند قرار دیا جاتا ہے، جب کہ وجہ شبہ کے اعتبار سے، مشبہ بہ، مشبہ سے افضل ہوتا ہے۔ استعارہ میں تو مشبہ بہ کو مشبہ بنا دیا جاتا ہے مگر اُس کی فضیلت بہ ہر نوع قائم رہتی ہے۔ گاہے یوں بھی ہوتا ہے کہ مشبہ کا جمال مشبہ بہ کو کمال عطا کر جاتا ہے ؎

تشبیہ دے کے قامتِ جاناں کو سرو سے
اونچا ہر ایک سرو کا قد ہم نے کر دیا

دوش و سر، دندان ولب، چاروں سے یہ چاروں خجل
نسترن، برگِ سمن، درِّ عدن، لعلِ یمن

حق یہ ہے کہ نعت میں مشبہ کی بہ ہر اعتبار، معتبر شخصیت کے روبرو، ہر مشبہ بہ کم تر

اور بے حقیقت نظر آتا ہے اور بیان و بدیع کی مختلف صورتیں محض شعری ضرورتیں دکھائی دیتی ہیں، چونکہ نبی کریم ﷺ کی زیارت، اُنھی کی زیارت ہوا کرتی ہے، کوئی اور اُن کا مقام لے ہی نہیں سکتا، اس لیے اس نوع کا خواب سچا ہوتا ہے اور اُس کا لفظی اظہار بھی ایک صداقت۔ حضرت سیّد پیر مہر علی شاہؒ اس بند میں آپ ﷺ کے رخِ انور کی نظر افروز اور دل آویز کیفیتوں کا اجمالی تذکرہ کررہے ہیں، یہ خواب کا ذکر ہے اور سر کی آنکھوں سے اس جمالِ جہاں تاب کو دیکھنے والے تصدیق کرتے ہیں کہ

- چہرہ بدرِ کامل کی طرح چمک دار اور گولائی لیے ہوئے تھا۔ (حضرت براء بن عازبؓ)
- چہرہ یوں، جیسے سورج طلوع ہو رہا ہے۔ (حضرت ربیع بن معوذؓ)
- چہرۂ انور چودھویں کے چاند کی طرح جگمگاتا تھا۔ (حضرت ہند بن ابی ہالہؓ)
- بال مبارک کندھوں تک لمبے تھے۔ (حضرت براء بن عازبؓ)
- بال ہلکا سا خم لیے ہوئے تھے۔ (حضرت علیؓ)
- بال انتہائی سیاہ تھے۔ (حضرت ابو ہریرہؓ)
- آنکھیں سرخی مائل سیاہ اور پلکیں دراز تھیں۔ (حضرت علیؓ)
- آنکھیں انتہائی سیاہ اور کشادہ تھیں۔ (حضرت ام معبدؓ)
- آنکھیں فطرتاً سرمگیں تھیں۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)
- جبیں کشادہ تھی۔ (حضرت ہند بن ابی ہالہؓ)
- جبیں تابندہ، گویا اس سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ (حضرت ابو ہریرہؓ)
- رات کی تاریکی یا پَو پھٹنے کے وقت تشریف لاتے تو کشادہ پیشانی چراغ کی طرح جگمگاتی تھی۔ (حضرت عائشہؓ)
- پلکیں دراز اور ابرو باریک تھے۔ (حضرت ام معبدؓ)
- ابرو قوس کی طرح خم دار، باریک اور گنجان تھے۔ (حضرت ہند بن ابی ہالہؓ)

- دونوں ابروؤں کا درمیانی فاصلہ ڈھلی ہوئی خالص چاندی کی طرح سفید اور چمک دار تھا۔ (حضرت عائشہؓ)
- دہن کشادہ تھا۔ (حضرت جابر بن سمرہؓ)
- دہن مبارک بہت حسین تھا۔ (حضرت ابو ہریرہؓ)
- دانت باریک، خوب صورت اور آب دار تھے۔ (حضرت ہند بن ابی ہالہؓ)
- بہ وقتِ گفتگو دانتوں کے درمیان سے چمک سی نکلتی دکھائی دیتی۔ (حضرت ابن عباسؓ)
- ہنستے تو دندان مبارک سے روشنی نمودار ہوتی، ایسا لگتا کہ دیواریں جگمگا اٹھیں گی۔ (حضرت ابو ہریرہؓ)
- دانت اولوں کی طرح سفید اور آب دار تھے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک چاندنی رات، میں چاند کے حسن میں محو، صحرائے عرب میں چھٹتی ہوئی چاندنی کے سحر میں مسحور، خود کو عجیب کیفیات میں پاتا تھا، چاند کی دل ربائی، رعنائی اور زیبائی نے مجھ کو جکڑ کر رکھ دیا۔ بے اختیار میرے قدم کچی چھت والی مسجد کی طرف اُٹھے اور کیا دیکھا؟ دیکھا کہ صحنِ مسجد میں آمنہؓ کے یتیم نے سرخ چادر اوڑھی ہوئی ہے اور چہرہ؟ **من وجهك المنير** ، دیکھتا رہ گیا۔ آسمان کے چاند کی طرف نگاہ اُٹھی، پلٹی تو مدینے کے ماہِ تمام پر پڑی، بے اختیار کہہ اُٹھا:

''آقا! چاند کو بھی اگر حُسن ملا ہے تو تیرے چہرۂ پُرانوار سے ملا ہے۔''

☆

﴿بند ۔ ۳﴾

اِس صورت نُوں میں جان آکھاں
جانان کہ جانِ جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جس شان توں شاناں سب بنیاں
ایہہ صورت ہے بے صورت تھیں
بے صورت ظاہر صورت تھیں
بے رنگ دسے اِس مُورت تھیں
وچ وحدت پھُٹیاں جد گھڑیاں

﴿اُردو ترجمہ﴾

محبوب جانِ جاں بھی ہے اور جانِ جہاں بھی، اُس سے وہ شانِ ربّانی ہویدا ہے جس سے کائنات کی ہر شان عبارت ہے۔

نبی پاک ﷺ کی مبارک صورت، اُس بےصورت نے یوں بنائی ہے کہ اِس صورت سے اُس بےصورت کا اپنا جمال جھلکتا ہے، اُس بے رنگ کا رنگ پیکرِ رسول ﷺ میں نظر آتا ہے، بات ہے تب کی جب وحدت کی اوّلین کرنوں نے کائنات کو نوازا تھا۔

﴿شعری ترجمانی﴾

کہوں آخر اُسے جانِ جہاں یا جلوۂ جاناں
وہی ہے جانِ دوعالم، زمانے کی وہی دھڑکن

حقیقت میں اُسی کی ذات شانِ کبریائی ہے
اُسی کے دم سے اِس کونین کی سب جلوہ زائی ہے
کہ شانِ وحدتِ محبوب ﷺ شانِ کبریائی ہے
وہی آئینہ دارِ مصحفِ حسنِ الٰہی ہے
اُسی کے رنگ میں نیرنگ کا اعجاز دیکھا ہے
طلوعِ آفرینش کا حسیں آغاز دیکھا ہے

﴿نثری تاثر﴾

فطرتِ ہستی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

خوب سے خوب تر کی تلاش، عملِ تخلیق کا جوہر ہے، اللہ، نقاشِ ازل اور مصورِ حقیقی ہے، تخلیق، محبوب کی تلاش کا دوسرا نام ہے۔ مصوّر کی تمام صلاحیتیں اُس اکمل پیکر کو وجود میں لانے کے لیے وقف رہتی ہیں جس کا خاکہ اس کے ذہن میں موجود ہوتا ہے، اللہ، احسن الخالقین ہے، اس کے پیشِ نظر وہ انسانِ کامل تھا جس کے لیے کائنات تخلیق کی گئی۔ اور حضور ﷺ کے روپ میں مصورِ ازل نے اپنے کمالِ فن کا یوں اظہار کیا کہ اُس آنکھ سے سورج ضیا مانگتا، اُس نطق سے غنچے پھول بنتے، پہاڑ اُس قامتِ زیبا سے سربلندی پاتے، صبا اُس خرامِ ناز سے ٹہلنا سیکھتی اور دنیا اس کردار سے پارسائی کا سبق لیتی تھی ـــــ گویا تصوّر، آخری تصویر بن گیا ۔

رُخِ مصطفیٰ (ﷺ) ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دکانِ آئینہ ساز میں

حضور ﷺ، ضیائے اوّلیں بھی ہیں اور شاہکارِ آخریں بھی، شعلۂ طورِ معرفت